



مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اصول درایت حدیث

عنایت الرحمن، پی ایچ ڈی سکالر، اسلامی فکر و تہذیب یو ایم ٹی لاہور
ڈاکٹر حمیرا احمد ایسوسی ایٹ پروفیسر، اسلامی فکر و تہذیب یو ایم ٹی لاہور

Abstract:

Hadith is the second most important primary source of Islamic law. During every phase of Muslim history efforts have been put forth to communicate Hadith and keep it intact. Earlier experts of Hadiths comprehension and *Ilm Jarh wa Ta'dil* not only set principles to verify the authenticity and reliability of Hadith but also discussed and formulated principles to grasp the meaning of the text of Hadith. This article primarily deals with the principles of comprehension of Hadith of Syed Abul Maududi. Abul Aala Maududi, founder of Jamat-e-Islami and author of Quranic Tafseer "Tarjamanul Qur'an" and many other discourses on various topics of Islam. He is among those who used Hadith narrations extensively in his illustrious interpretation of Qur'an.

For him the verification of Hadith narrators and text is necessary in order to benefit from it. He was of the view that there might be chances of human error, forgetfulness, personal beliefs or misunderstanding of narrators present in the sanad. Moreover, for him, it is also important to confirm, if the possible meanings of the text of Hadith have clash with the meaning of any other Hadith. In that case law would not be extracted from it even if all the narrators conform to the standards formulated by Hadith experts. Few examples of principles of comprehension of Hadith of Maulana Maududi have also been cited in the article to describe the principles of comprehension of Hadith. These examples include the narrations on the welcoming of Imam Mahdi, the coming of Dajjal (the false Messaih) and prophecies of Prophet Muhammad SW.

Keywords:

Hadith
comprehension,
Syed Abul Aala
Maududi, Narrators,
Authenticity, Islamic
Law.

تعارف

شریعت اسلامی کے بنیادی ماخذ چار ہیں، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ انھیں دلائل شریعت کہتے ہیں۔ قرآن شریعت کا پہلا اور حدیث دوسرا ماخذ ہے۔ حدیث کے لغوی معنی بیان، اخبار، بات، قصہ، واقعہ اور جدید کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں السنن المضافہ للنبي صلی اللہ علیہ و سلم قولاً له أو فعلاً أو تقریراً حدیث ہر وہ قول، فعل، تقریر یا صفت کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ حدیث امور دین میں اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن مجید ہے۔ آپ ﷺ کی حیثیت محض ایک سفیر کی نہیں بلکہ آپ ﷺ اللہ کے مجاز نمائندے اور اس کی طرف سے مقرر کردہ معلم و مربی، قاضی، شارح، شارح کتاب، پیشوا، تشریحی اختیارات کے حامل اور غیر مشروط مطاع و حاکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے، اسی طرح حدیث کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

انسانوں میں بہترین انسان حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے اخلاق کے بہترین معیار پر اپنی زندگی گزاری اور دوسروں کے لیے نمونہ بن گئے۔ آپ ﷺ کے زبان مبارک سے کہے ہوئے الفاظ سے زندگیوں میں انقلاب آجاتا ہے۔ گم راہ لوگوں کو منزل کا راستہ مل جاتا ہے۔ ایسی شخصیت کے کہے ہوئے الفاظ اور اقوال کو تا قیامت محفوظ کیا گیا ہے۔ ادب و احترام کے پاکیزہ جذبوں کے ساتھ ان الفاظ اور اقوال کو ”احادیث نبوی ﷺ“ کا نام دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ادب و عقیدت کے جذبوں سے خالی لوگوں نے احادیث کے اس ذخیرے کو اپنی پسند و ناپسند کے لیے تختہ مشق بھی بنانا چاہا اور اپنی طرف سے اس میں حذف و ترمیم کرنی چاہی۔ امت میں بے شمار ایسے لوگ گزر چکے ہیں جنہوں نے احادیث کے اس ذخیرے کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانا اور اسے اپنے سینوں کے ساتھ چمٹائے رکھا۔

بلاشبہ بیسویں صدی کی نابغہ روزگار شخصیات میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایک سرخیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم حدیث میں تحقیق کا ذوق ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ تفسیر تفہیم القرآن² میں اپنا علمی و تحقیقی کام کرنے کے بعد انہوں نے حدیث پر بھی ایک جامع کتاب لکھنی چاہی۔ 1953ء میں جیل کے اندر قید کے دوران حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکے تھے³ ایک طویل عرصے تک مشکوٰۃ المصابیح کا باقاعدگی سے درس بھی دیتے رہے۔⁴ حدیث پر ایک جامع کتاب لکھنے کی خواہش وہ کئی بار کر چکے تھے۔ زندگی کی آخری حصے میں وہ اس پر کام کا آغاز بھی کرنے والے تھے کہ موت نے انہیں یہ موقع نہیں دیا۔ ان کی یہ خواہش تو پوری نہ ہو سکی لیکن حدیث کے طالب علموں کے لیے انہوں نے اپنی دیگر تمام تصانیف، مضامین، مقالات اور تقریروں میں حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی ہر تصنیف میں بے شمار احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ انہوں نے احادیث کا استعمال پورے شعور اور آگہی سے کیا ہے۔ اگر ان کے تمام علمی و تحقیقی کام کا جائزہ لیا جائے تو فیصلہ اسی پر کرنا پڑتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد حدیث ان کی دوسری سند تھی۔ حدیث ان کا گویا قرآن کے بعد آخری حوالہ رہا۔

حدیث کے تمام پہلوں پر منخر فین اور مزاج رسول ﷺ سے نااشنا لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ غلط روایات کو بھی احادیث میں گردانا گیا۔ کثرت اور تسلسل کے ساتھ جو روایات چلی آرہی ہیں، ان کو بعض لوگوں نے حدیث کے درجے پے فائر کر دیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان محققین کو پڑھا۔ ان کے موقف کو دیکھا۔ جائزہ لیا اور اپنے موقف کو بلا تردد اور خوف پیش کیا۔ یہاں ان مباحث کو خاص کر نشان زدہ کیا جا رہا ہے کہ روایت و درایت میں وہ کونسی باریک تہہ ہے جس سے منخر فین حدیث یا معترضین حدیث اس علم کو کمزور کرنا چاہتے

1. السخاوي، شمس الدين محمد بن عبد الرحمن، فتح المغيب شرح ألفية الحديث (لبنان: دارالكتب العلمية - الطبعة الأولى، 1403ھ)

-14:1

2. سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفسیر تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار)

3. سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم الاحادیث، پیش لفظ، (لاہور: مکتبہ معارف اسلامی، 2003) 11:1

4. ایضاً

ہیں۔ ان جیسے دیگر سوالات کے جوابات کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کیا موقف اختیار کیا۔ ذیل کے سطور میں ان کا خاص کر ذکر کیا جا رہا ہے۔

علمِ درایت کی تعریف:

علمِ حدیث کی عموماً دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ روایتِ حدیث اور درایتِ حدیث۔

روایتِ حدیث: یہ علم ان احادیث کی نقل و حرکت اور ضبط و تحریر پر مبنی ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوں۔ خواہ قولی ہوں، فعلی ہوں یا تقریری یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔

درایتِ حدیث: یہ علم ان مباحث کا مجموعہ ہے جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے معلوم ہو جائے۔⁵

روایتِ حدیث میں حدیث کے اصول، جرح و تعدیل، اسماء الرجال، علل اسناد، راوی کی اخلاقی و دینی حالت، حفظ و ضبط، عدالت و ثقاہت، اعتقادی و فکری کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔ راویانِ حدیث کے لیے کڑی شرائط مقرر کرنے کے بعد بھی علمائے اصولین کو یہ کھڑکا باقی رہا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک روایتِ سند کے معیاروں پر پوری اترتی ہو اور کہیں کوئی ضعف اور کمزوری نہ ہو۔ مگر وہ حدیثِ رسول ﷺ نہ ہو یا اس کی سند قوی ہو مگر الفاظِ نبی کریم ﷺ کے نہ ہو، یا ایک ایسی روایت ہو جو نبی کریم ﷺ کے منشا و مطلق نظر کے خلاف ہو مگر مقاصدِ شریعت سے متصادم ہو جائے۔ روایت کے اندر کہیں راوی کے اپنے تاثرات سے حدیث کی اصل غایت فوت تو نہیں ہوئی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی کو حدیث سمجھنے میں دشواری آئی ہو یا موقع و محل کا ادراک نہ پا کر غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہو۔ ان جیسی بے شمار کمزوریوں پر گرفت رکھنے کے لیے علمائے اصولین نے علمِ درایت کے نام سے اصول وضع کیے ہیں۔ ان اصولوں کو احادیث پر منطبق کرنا جان جو کھوں کا کام ہے۔ اور وہی بندہ اس جوئے شیر کو لائے گا جو اس میدان کا مضبوط ترین شہسوار ہو۔ رسوخ فی الحدیث میں کامل تمام حیثیت رکھتا ہو۔

علمِ درایت کا استعمال: درایت جو علم و عقل اور سوچ و بچار کا نام ہے۔ اور یہ علمِ الحدیث کا بنیادی قسم میں سے ہے۔ گویا کہ علمِ الحدیث کی ابتدائی امور سے اس کا تعلق ہونے کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس پر بحث کی ہے اور اس کی تمام جزئیات و کلیات اور عناصر و عوامل پر کھل کر بات کی ہے کہ اس کا تعلق راوی کی حقیقت، اس کے شرائط، انواع، اقسام، احکام اور راوی کی حالت قبولیت و عدم قبولیت پر ہے۔⁶ نبی کریم ﷺ نے اپنی صداقت کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے اسے صادق و امین قرار دیا ہے۔⁷ اس کے ساتھ ہی مشہور افک کا واقعہ بھی اس کی واضح مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو لا اذ سمعتموه قلتم ما یكون لنا ان نتكلم بهذا، سبحانک، هذا بہتان عظیم⁸

کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ”ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔“

5 - محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم الحلاق القاسمی، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحدیث، الباب الثالث: فی

بیان علم الحدیث وفیہ مسائل (بیروت: دار الکتب العلمیة، لبنان)

6 - عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، مقدم تدرب الراوی فی شرح تقریب النواوی، (الریاض: دار طبیبة) 26:1

7 - یونس: 10:16

8 - النور: 24:16

یعنی منافقین جو دعویٰ کرتے تھے وہ اتنا بے وزن، خلاف واقعہ، خلاف عقل تھا کہ اسے سننا بھی گوارا نہ تھا۔ افاک کے اس واقعے میں چند معتبر صحابہ کرام بھی ملوث ہو گئے تھے۔ وہ بلا تحقیق اس سازش کے شکار ہو گئے تھے۔ قرآن نے انہیں اس طرف توجہ دلائی کہ تم لوگوں نے یہ جھوٹی بات سنتے ہی اتنی جلدی یقین کیوں کر لیا۔ تحقیق اور جستجو کے ترازو میں اس کو تولتے اور بعد میں اس کو قبول یار د کرنے کی جسارت کرتے۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں سے یہ ہے کہ بغیر تحقیق اور تلاش حقیقت کے کسی بات پر یقین نہ کر لیں اور نہ اسے آگے پھیلائیں⁹۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر یہی ہے کہ واقعے کی خوب جانچ پرکھ کر لی جائے اور جب دل مطمئن ہو جائے تو پھر آگے پھیلانے میں دل کو بھی کوئی کھکانہ نہیں رہے گا۔

احادیث کو بیان کرنے یا آگے پھیلانے میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

من كذب على متعمداً فليتبوا مقعده من النار¹⁰۔

جس نے جان بوجھ کر میری جانب کوئی جھوٹی بات منسوب کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

احادیث کو جن لوگوں نے حرز جان بنایا ہے ان میں اولین صحابہ کرام کا شمار ہوتا ہے، انہوں نے بھی احتیاط کا دامن تھامے رکھا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب تم لوگوں سے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کروں تو مجھے آسمان سے گر جانا پسند ہے مگر آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کا انتساب کرنا پسند نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اپنی نبوت کا یقین اپنی قوم کو دلانا تھا، تب آپ ﷺ نے روایت کا استعمال کیا تھا اور اپنی قوم سے فرمایا تھا:

فقد لبثت فيكم عمراً من قبله، افلا تعقلون¹¹۔

قبل نبوت میں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ تمہارے ساتھ گزارا تھا (اس دوران میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا)۔ کیا تم اتنی بات

بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے درایت کے خلاف پا کر رد کر دیا تھا۔ یہ حدیث اصول الشاشی میں سنت کے بیان میں مذکور ہے۔

روی ابو ہریرۃ الوضومامسہ بالنار۔ فقال له ابن عباس ارایت لو توضأت بماء سخین اکننت تتوضأ منه فسکت¹²۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آگ نے جس چیز کو چھو لیا، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ سے کہا

آپ یہ بتائیے کہ اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو کیا آپ اس پر بھی دوبارہ وضو کریں گے۔ اس بات پر حضرت ابو ہریرہؓ خاموش ہو گئے۔

کسی بھی چیز پر تنقید، تبصرہ اور اپنی رائے کا اظہار کر دینا قدرت کی طرف سے نعمت ہوتی۔ اسی نعمت کے استعمال پر انسان بہت سی مشکلات میں آسانی کا راستہ نکال لیتا ہے۔ دور جاہلیت کے شعر انے اپنے ہی ہیں اشعار میں اپنے جاہلی رسم و رواج، عقائد و عبادات اور اخلاقیات پر

9 . الحجرات 49:6

10 - أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، مسند البزار، (المدينة منوره: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة الطبعة : الأولى

2009) 2:38 اور صحيح بخارى جلد اول : كتاب العلم (علم كا بيان) : حديث 110

11 . يونس 10: 16

12 - مولانا جمیل احمد سکروڈی، اہم الجواشی فی شرح اصول الشاشی، (لاہور: اسلامی کتب خانہ، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار) 273

کہیں تنقید کی تو کہیں اس پر تبصرہ ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب فارغ نے اپنے بھائی امیہ بن ابی صلت کے چند اشعار سنائے تو نبی کریم ﷺ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ ”امن شعره و کفر قلبه“¹³ اس کا شعر ایمان لے آیا لیکن اس کے قلب نے کفر کیا۔ حضرت عمرؓ نے زہیر بن ابی سلمیٰ کے اشعار کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

لأنه كان لا يعاقل في الكلام وكان يتجنب وحشي الشعر وكان لا يمدح أحدا إلا بما هو فيه¹⁴۔

وہ قول میں پیچیدگی اختیار نہیں کرتا تھا، نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتا تھا اور لوگوں کی بے جا تعریفیں نہیں کرتا تھا۔

صحابہ کرام نے احادیث کی دو طریقوں سے حفاظت کی ہے۔ زبانی بھی یاد کیے اور کتابت حدیث کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کتابت کا طریقہ بہت مؤثر طریقہ ثابت ہوا۔ اور اس طریقے سے احادیث مبارکہ کا ایک ضخیم ذخیرہ کتابی شکل میں جمع ہوا۔ حفاظت کا یہ سلسلہ شروع سے لے آخر (قیامت) تک جاری رہے گا۔ اس حوالے سے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

دور صحابہ میں بھی رواۃ پر کام ہوا ہے۔ شعبی اور ابن شیرین تابعین کی جماعت سے حفاظت حدیث پر مامور رہے پہلی صدی کے بعد دوسرے صدی میں بھی ضعیف تابعین پر کلام ہوا اور 150ھ کے بعد ایک پوری جماعت نے درایت کا کام کیا کہ موجود ہے¹⁵۔ فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقی نامی کتاب میں اس پر تفصیل سے ذکر موجود ہے اور مقدمہ مسلم میں بھی اس پر بحث موجود ہے۔

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب الصحیح المسلم کے مقدمہ میں ابو الزناد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

حدثنا نصر بن علي الجهضمي، حدثنا الاصمعي، عن ابن ابي الزناد، عن ابيه، قال: "ادركت بالمدينة مائة، كلهم مامون، ما يؤخذ عنهم الحديث، يقال: ليس من اهله"¹⁶۔

ابو الزناد (جن کا نام عبد اللہ بن ذکوان ہے اور وہ امام تھے حدیث کے (نے کہا: میں مدینہ میں سواشخص کو پایا، سب کے سب اچھے تھے مگر ان سے حدیث کی روایت نہیں کی جاتی، لوگ کہتے تھے وہ اس لائق نہیں ہیں۔

نقد اور احتیاط کی یہی تعلیمات قیامت تک کے لیے ہیں۔ اسی احتیاط و فکر مندی نے آگے جا کر ایک الگ فن کی شکل اختیار کی۔ حدیث کے میدان میں اس فن کو علم درایت کہنے لگے۔ نقد و درایت کے اصولوں سے کوئی بھی زمانہ مستغنی نہیں رہا۔ ہر گزرتے دن اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ پہلی صدی ہجری میں ربیع بن خثیم تابعی۔ تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ اور امام شافعی۔ چوتھی صدی ہجری میں ابو جعفر طحاوی۔ پانچویں صدی ہجری میں خطیب بغدادی اور ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک۔ چھٹی صدی ہجری میں ابن عساکر اور امام ابن جوزی۔ ساتویں صدی ہجری میں امام صغانی۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن دقیق العبد، امام ذہبی اور امام ابن قیم۔ نویں صدی ہجری میں امام بلقیانی اور ابو الحسن علی الحنبلی۔ دسویں صدی ہجری میں امام سخاوی، امام سیوطی، ابن العراق الکنانی اور علامہ طاہر

13 - حافظ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ، (مصر: مطبع مصطفى محمد مصر 1939) 364:4، 363۔ تفسیر تہم القرآن، سورۃ

الشُّعْرَاء حاشیہ نمبر: 140

14 - أبو القاسم الحسن بن بشر الأمدي، الموازنة بين شعراي تمام والبحتري، باب في سوء نظمه وتعقيد ألفاظ نسجه، ووحشي ألفاظه، ، تحقيق/ السيد أحمد صقر الناشر: دار المعارف - الطبعة الرابعة، (مصر) 1:293

15 - شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي، فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقی، أقسام الحدیث صفة رواية الحدیث وأدائه الرواية بالمعنى (الرياض: مكتبة دار المنهاج، المملكة العربية السعودية) 1:24

16 - مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، مُقَدِّمَةٌ، باب في أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات وأن جزخ الرواة بما هو فهم جائز بل واجب وأنه ليس من الغيبة المحرمة بل من الدب عن الشريعة المكرمة۔ حدیث نمبر 30:

اور موسیٰ شاہین لاشین، فتح المنعم شرح صحیح مسلم (بیروت: دار إحياء التراث العربي (بیروت، لبنان)

پٹنی۔ گیارویں صدی ہجری میں ملا علی قاری۔ چودھدویں صدی ہجری میں علامہ عبدالحی لکھنوی اور علامہ قاسمی اور دیگر بے شمار علمائے کرام اس فن کے ماہرین اور مفسرین گزرے ہیں۔ علمِ درایت کی ایجاد، اشاعت میں ہزاروں زندگیاں قربان ہوئی ہیں۔ اور اب بھی یہ علم زندگیوں کی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ حدیث چونکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق رکھتی ہے، اس کی حفظ و حفاظت دین سے متعلق ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت میں سخت اصول، قواعد و ضوابط سے کام لیا گیا ہے۔ محدثین کرام اور علمائے اصولین نے ایسی کسوٹی بنائی ہے کہ علمِ حدیث کا ذخیرہ اب مکمل طور پر محفوظ و مامون ہو گیا ہے۔

درایت کے اصول:

علمائے اصولین نے درایت کا بلند معیار قائم کر کے علمِ حدیث اور علومِ حدیث کو شک و شبہات، اعتراضات اور تمام غلط فہمیوں سے پاک و صاف رکھا۔ علمائے اصولین نے ایسے کڑے قواعد و ضوابط بنائے ہیں کہ ان سے جو بھی محقق گزرے گا تو اس کے پاس اصل علم، شبہات سے پاک علم اور جانچے ہوئے علم کا ذخیرہ ہاتھ آجائے گا اور جس محقق نے اس میں کوتاہی برتی، غفلت اختیار کی، اپنے آپ کو ان اصولوں سے مستغنی سمجھا تو اس کے ہاتھ اتنا ہی علم آئے گا اور اپنی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے رطب و یابس میں الجھا علم اس کے نصیب میں ہو گا۔ فتح القدیر: الجامع بین فنی الروایہ والدراہ من علم التفسیر المجلد 17 میں تفصیل موجود ہے۔

ابن جوزی کا ایک حوالہ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

کل حدیث رایتہ یخالف المعقول او یناقض الاصول۔ فاعلم انه موضوع فلا تتكلف اعتبار۔ ای تعتبر و رواية ولا تنظر فی جرحهم او یكون مما یدفع الحس والمسابدة او مباینناً لنصالکتاب والسنة المواترة والا جماع القطعی حیث لا یقبل شیئ من ذالک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر وبالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وبذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرفیة ومن ركة المعنی لا تاكلو القرعة حتی تذبحوما ولذا جعل بعضه ذالک دلیلاً علی کذب رواية وکل هذا من القرائن فی المروی وقد تكون فی الراویة کقصبة غیاب مع المهدی... او انفرادہ عن له یدرکه بما لم یوجد عند غیرهما او انفرادہ بشی مع کونہما یلزم المکلفین علمه وقطع العذر فیہ کما قوره الخطیب فی اول الکفایة او باموجسیمیلتیوفرالدواعی علی نقده کحصر عدو الحجاج عن البیت¹⁸۔

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا نص، کتاب اور سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور سوتیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہے) یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ مثلاً یہ حدیث کہ کدو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ۔ اس لیے بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں اور سبھی پر قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں۔ مثلاً غیث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ۔۔۔ یا جیسا کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملاتک نہ ہو یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے۔ حالاں کہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کا بھی مطلع ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایة کے شروع میں اس کی تصریح کی

17 - محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدراية من علم التفسیر (تفسیر الشوکانی)، المحقق: یوسف الغوش (لبنان: الناشر: دار المعرفة، سنة النشر: 1428 - 2007)

18 - علامہ شبلی نعمانی، سلیمان ندوی، "سیرۃ النبی" (لاہور: مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور) 1: 13، 30

ہے یا وہ حدیث جس میں کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے۔ اگر وہ واقعہ ہوا ہو تو سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے۔ مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد اس کے ماحصل بھی نکالے ہیں۔ لیکن عربی عبارت کے متعلق کہا ہے اس میں غلطیاں موجود ہیں۔ عربی عبارت کے علاوہ مذکورہ اصول پر سب متفق ہیں۔ یہاں کچھ دیگر حوالوں سے بھی ان اصولوں کو بیان کر دیتے ہیں۔ امام ابن قیم کی کتاب المنار المنيف في الصحيح والضعيف¹⁹ میں چالیس (40) سے زائد روایت کے اصول بیان کیے ہیں۔ چند اصول ذیل کی سطور میں دیے جا رہے ہیں:

عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔ اصول مسلمہ کے خلاف نہ ہو۔ محسوسات اور مشاہدے کے خلاف نہ ہو۔ قرآن مجید یا حدیث متواترہ کے خلاف نہ ہو۔ جس حدیث میں معمولی کام پر زیادہ اجر و ثواب کی خبر ہو۔ معمولی گناہ پر بڑے عذاب کی وعید سنائی گئی ہو۔ رکیک المعنی ہو۔ راوی اپنے ماقبل راوی سے نہ ملا ہو۔ عام واقعہ جس کو راوی کے علاوہ کسی اور نے روایت نہ کی ہو۔ روایت میں کسی قوم، شہر اور پیشے کی مذمت کی گئی ہو۔ شانِ نبوت کے خلاف روایت ہو۔ شانِ خدا کی منافی ہو۔ خوب صورت چہرے کی تعریف کی گئی ہو۔ بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائے۔ روایت میں تمسخر اور بے وقوفی پائی جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے واقعات میں شانِ نبوت کو پامال کیا گیا ہو۔ تمام انبیاء کرام کے کلام کے خلاف روایت ہو۔ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب حدیث فی نفسہ باطل ہو۔ عام اصولِ حکمت و اخلاق کے خلاف ہو۔ شہوت و فساد کی طرف داعیہ روایت ہو۔ تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ نص قرآن کے خلاف ہو۔ سنتِ صریحہ کے خلاف ہو²⁰۔

امام ابو حنیفہ اصولوں کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حدیث کا متن صحابہ اور تابعین کے درمیان نہ ٹکراتا ہو خواہ ان کا وطن ایک ہی شہر میں ہو یا الگ الگ شہروں میں۔ راوی کا عمل روایت کے خلاف نہ ہو مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کا وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ کتابِ تن میں منہ ڈالے تو سات بار دھونا چاہیے جبکہ خود ان کا عمل اس روایت کے خلاف تھا²¹۔

اصول حدیث کے کتابوں میں اور بھی اصول ذکر ہوئے ہیں۔ دفع ضرورت کی بنا پر اور طوالت کو خاطر میں لاتے ہوئے اتنا بھی کافی ہیں۔ ان اصولوں کو تطبیق میں لائے بغیر حدیث کی معرفت اور استعمال بہت مشکل ہے۔ اب سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس اہم فن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا موقفِ درایت۔

سید مودودی اپنی رائے میں لکھتے ہیں کہ:

احادیث سے استناد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے روایت کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک قابل اعتماد ذرائع سے مروی ہوئی ہیں، پھر ان کے معنی پر غور کیا جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ بشرطِ صحت ان کا صحیح مدعا کیا ہو سکتا ہے۔ کسی حدیث کا کوئی ایسا مفہوم لے لینا جو حضور کے دوسرے بہت سے ارشادات سے ٹکراتا ہو، یا جس سے بہت سی قباحتیں لازم آتی ہوں۔ کسی طرح درست نہیں

19 - ابن قیم الجوزية، المنار المنيف في الصحيح والضعيف (ط. مجمع الفقه، المحقق: يعقوب بن عبد الله الشمالي، (جده: مجمع الفقه الإسلامي، سنة النشر: 1428 هـ)

20 - أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الدمشقي، المنار المنيف في الصحيح والضعيف، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية، سنة النشر: 1403 هـ) 43:1۔

21 - محمد ابو زهو، الحديث والمحدثون، (قاهرہ: دار الفكر العربي، مصر 1978)، 281، 282۔

ہو سکتا۔ اس کے بجائے اس کا اگر کوئی ایسا مفہوم ہو سکتا ہو جو شخصزور کے دوسرے ارشادات سے مطابقت بھی رکھتا ہو اور ہر قباحت سے بھی خالی ہو تو ایک ذی فہم آدمی کے لیے وہی قابل قبول ہونا چاہیے²²۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے تک حدیث کتابتاً، حفظاً، تعاملاً اور نقلاً ہر لحاظ سے پاک و صاف اور محفوظ رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حالات اس نہج کے نہ رہے کہ جس میں احادیث کی حفاظت برقرار رہ جاتی۔

عروج کو زوال کم ہمتوں، مفاد پرستوں اور دغلی پالیسی سازوں سے ملتا ہے۔ مسلمانوں کے علمی ذخیرے کو جب زوال ملنا شروع ہوا تو بھی یہی اصول کار فرما نظر آتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی آپس میں اقتدار کے لیے چپقلش، سیاسی اختلافات شامل ہیں۔ اسی طرح نو مسلموں کے اپنے سابقہ دین کی عبادات اور رسم و رواج لانا بھی اس کے اسباب میں شامل ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض منافقوں نے بھی علم حدیث کو نقصان پہنچانا چاہا۔ اس کے علاوہ شکم پروری کے بندے، مفاد کے بھوکے، خوشامدی ٹولے نے اپنی اپنی ضروریات کے تحت حدیث کے ذخیرے کو مکدر بنا چاہا۔ بیسویں صدی میں منکرین حدیث کی کثرت رہی۔ اس کی ابتدا کرنے والے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے پھر مولوی عبداللہ چکرا لوی، مولوی احمد الدین امرتسری، مولانا مسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز، ڈاکٹر عبدالودود، نمایاں رہے۔ مستشرقین نے بھی ایک تحریک کی شکل میں اس کا ساتھ دیا۔ متجددین حدیث اور منکرین حدیث کے قبیلے کے لوگوں نے درایت کے مضبوط قلعے کو مسمار کرنے کی لاکھ کوششیں کی مگر ناکام رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے علم کے مورچے سے ان کا مقابلہ کیا اور درایت کو حکمت سے تعبیر کر کے ان اصولوں کو زندہ و تابندہ رکھا اور فرمایا:

”درایت سے مراد فہم دین ہے جس کو قرآن مجید میں ”حکمت“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ حکمت شریعت کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو درجہ ”حذاقت“ کا فن طب میں ہے²³۔

بشری کمزوریوں کی وجہ سے درایت کا استعمال دور صحابہؓ سے لے کر تاقیامت جاری ہے۔ ہر صدی میں درایت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی اس صف کے محقق آدمی گزرے ہیں۔ درایت کے حوالے سے ان کا موقف دو ٹوک اور واضح ہے۔ اختلاف کے تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور تائید کے تمام پہلوؤں پر بھی خوب بحث کی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تمام تر علمی ذخیرے اور وسائل کو بروئے کار لا کر درایت کا استعمال کیا ہے اور اسی سے ان کا موقف درایت بھی واضح ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے، جیسے ایک بیج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔ مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرے کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے، اور وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں... اسی طرح دو محدثوں کی روایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیا ہے²⁴۔

²² سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، (لاہور اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، 154:3)

²³ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تقسیمات، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، 366:1)

²⁴ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تقسیمات، 337:1

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ہاں درایت اس لیے ضروری ہے کہ انسانی حالت و طبیعت اور حافظہ، فہم و ذکاوت، بیدار مغزی اکثر اوقات حالات کو سمجھنے میں کوتاہی کر جاتے ہیں یا موقع و محل پر پوری طرح گرفت نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو بعد کے لوگوں کی غلط فہمی، کج فہمی، موقع و محل کی نسبت سے واقعات اور روایات میں اختلاط، نفس کی کمزوری، دنیاوی مفاد کی زور آوری اور اس جیسے دیگر وہ ذرائع جس سے اصل حدیث کے اندر کمی و بیشی آئی ہو، ایسے حالات میں صاف، واضح اور اصل حدیث و الفاظ کو جانچ پرکھ کے نکالنا انتہائی ضروری ہے۔ موقع و محل پر گرفت نہ ہونے کی ایک روایت بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

”ان المیت یعذب بیکاء اہلہ۔“ میت پر اس کے گھر والوں کے رونے بیٹنے سے عذاب ہوتا ہے، یہ بات حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا، **لما بلغ عائشة قول عمرو ابن عمر قالت انکم لتحدثنونی عن غیر کاذبین و مکذبین ولكن السمع یخطی اللہ ابن عمرؓ** معاف فرمائے، وہ جھوٹ نہیں بولتے، مگر انھیں بھول ہو گئی یا وہ سمجھنے میں غلطی کر گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک یہودی عورت کے مرنے پر اس کے گھر والے رورہے تھے۔ حضورؐ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا یہ یہاں اس پر رورہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب بھگت رہی ہے²⁵۔

جانچ پرکھ کی اس گراں بار ذمہ داری کو محدثین نے اٹھا کر امت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انھی محدثین کی کاوشوں سے آج حدیث کا مکمل ذخیرہ مکمل چھان بین کے بعد ہمارے سامنے موجود ہے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فی زمانہ وہ وسائل بھی ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرے کی جانچ پڑتال کر کے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں²⁶۔

احادیث کے نقل و بیان اور تحقیق کے ضمن میں مزید موقف کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

احادیث کی تحقیق میں دیکھنے کی پہلی چیز حدیث کی سند ہے۔ اس کے بعد درایت کا درجہ آتا ہے۔ درایت سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے مضمون پر غور کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید اور سنت ثابتہ کے خلاف تو نہیں پڑتی؟ اس کی تائید کرنے والی دوسری روایات موجود ہیں کہ نہیں؟ کوئی بات اگر فرمائی گئی ہے یا کوئی عمل اگر کیا گیا ہے تو کس موقع پر کیا گیا ہے اور اس موقع سے اس کی مناسبت کیا ہے؟²⁷۔

بیسویں صدی میں حدیث کی خدمت میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ علم حدیث میں گہرائی اور اس کی اشاعت، منکرین حدیث کے جوابات اور حدیث کو درایتاً محفوظ کرنے اور رکھنے میں گراں بار ذمہ داری ادا کی ہے۔ انھوں نے اگر سلف، فقہاء اور اصولوں کے ماہرین سے اختلاف کیا ہے تو ادب و احترام اور منشائے مسئلہ کے حدود میں رہ کر اصولی اختلاف کیا ہے اور اگر کسی سے اتفاق کیا ہے تو بھی اپنی تائید اور اتفاق کے دلائل دیے ہیں۔ تحقیقی مزاج لے کر وہ علمی دنیا میں دھیمی انداز اپناتے ہیں، جس کے اندر وہ نہ گہرا ہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی الزامات کا ڈر ہوتا ہے تبھی تو انھوں نے درایت کو حکمت کہہ کر قبول کر لیا ہے۔

ترجمان القرآن میں ایک سائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

²⁵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن، مارچ 1965، ص 66 (ترجمان القرآن کا آئینی ویب

لنک <https://www.tarjumanulquran.org/about-us>)

²⁶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تقسیمات، ج 1، ص 337

²⁷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز منصورہ ملتان روڈ لاہور، اپریل 2015)، ص 346۔

”اسی لیے حدیث کی سند دیکھنے کے ساتھ اس کے مضمون پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ محض سند کی صحت کا تقاضا یہ نہیں ہے

کہ حدیث کا مضمون لازماً جوں کا توں قبول کر لیا جائے خواہ اس میں علانیہ کوئی قباحت نظر آتی ہو²⁸۔

اسی جوابیہ مضمون کے اندر وہ سلف سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

”زاد المعاد میں علامہ ابن قیمؒ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث من عشق فعم فمات فهو شهید“ وفی

روایۃ ”من عشق و کتم و عفو و صبر غفر اللہ له وادخله الجنة پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس

کان غلطاً و وہماً۔ اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح روشن ہوتی تب بھی یہ غلط اور وہم ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا مضمون

صحیح نہیں ہے اور یہ زبان بھی نبیؐ کی نہیں معلوم ہوتی²⁹۔ اسی طرح الاستیعاب میں علامہ ابن عبد البر ایک روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں ان

حدیث ابن عمرو و ہم و غلط انه لا یصح معناه وان کان اسنادہ صحیحاً۔ ابن عمرو کی حدیث وہم اور غلط ہے اس کا مضمون صحیح نہیں ہے

اگرچہ اس کی سند صحیح ہے۔³⁰

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنے پیش رو علمائے اصولین کے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ انھی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر احادیث کی چھان

بین کی ہے۔ انھی اصولوں کے تحت محدثین سے اختلاف بھی کیا ہے اور اتفاق بھی کیا ہے۔ انھی اصولوں کے اندر اندھی تقلید کی شدت سے مخالفت

کرتے ہیں اور ان اصولوں کے بغیر من و عن حدیث قبول کر لینا ان کے ہاں علمی موت کے مترادف ہوگی۔

”ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہیے۔ نہ کبھی

ہم نے دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو آنکھیں بند کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مان لیا جائے۔ برعکس

اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیث رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک گراں بار ذمہ داری ہے، جس کو اٹھانے کی جرأت کافی تحقیق کے

بغیر ہرگز نہ کرنی چاہیے³¹۔

درایت کے بنیادی اصولوں میں سے اہم اصول یہ بھی ہے کہ روایت علم حدیث کے مسلمہ اور طے شدہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ مسلمہ

اصولوں کی مخالفت اور اس کی پرواہ کیے بغیر، علم حدیث کے چشمے کو مکدر کر دینے کی سعی لاکھل کوشش ہوگی۔ علم حدیث کی تاریخ میں یہ

کوششیں بار بار کی گئی۔ سید مودودیؒ خود بھی ان اصولوں پر کاربند رہیں اور کھلم کھلا ان لوگوں کی سختی سے مخالفت بھی کی جو ان اصولوں سے منحرف و

مستغنی رہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرزند ارجمند ابراہیم کے بارے میں روایت ہے کہ لو عاش ابراہیم لکان نبیاً اگر ابراہیم بن محمد زندہ رہتے تو

نبی ہوتے۔ اس روایت کے بارے میں سید مودودیؒ تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قادیانی حضرات اس سے جو استدلال کرتے ہیں وہ چار وجوہ سے

غلط ہے:

اول یہ کہ جس روایت میں اسے خود نبی ﷺ کے قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے اور محدثین میں سے کسی

نے بھی اس کو قوی تسلیم نہیں کیا ہے۔

دوم یہ کہ تووی اور عبد البر جیسے اکابر محدثین اس مضمون کو بالکل ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔

²⁸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن (لاہور: مارچ 1965)، ص 66۔

²⁹۔ ترجمان القرآن مارچ 1965ء، ص 66

³⁰۔ ترجمان القرآن مارچ 1965ء، ص 66

³¹۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تقسیمات، 1: 348

سوم یہ کہ اکثر روایات میں اسے نبی ﷺ کے بجائے بعض صحابہوں کے قول کی حیثیت سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ تصریح بھی کر دیتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعد چوں کہ کوئی نبی نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے صاحبزادے کو اٹھالیا۔

چہارم یہ کہ اگر بالفرض صحابہ کرام کی یہ تصریحات بھی نہ ہوتیں اور محدثین کے اقوال بھی موجود نہ ہوتے جن میں اس روایت کو جو نبی ﷺ کے قول کی حیثیت سے منقول ہوئی ہے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ تب بھی وہ کسی طرح قابل قبول نہ ہوتی۔ کیوں کہ یہ بات علم حدیث کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے کہ اگر کسی ایک روایت سے کوئی ایسا مضمون نکلتا ہو جو بکثرت صحیح احادیث کے خلاف پڑتا ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اب ایک طرف وہ کثیر التعداد صحیح اور قوی السند احادیث ہیں جن میں صاف صاف تصریح کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اور دوسری طرف یہ اکیلی روایت ہے جو باب نبوت کے کھلے ہونے کا امکان ظاہر کرتی ہے۔ آخر کس طرح جائز ہے کہ اس ایک روایت کے مقابلے میں ان سب روایتوں کو ساقط کر دیا جائے³²۔

درایت کے اسی سلسلے میں سید مودودیؒ نے اس حدیث پر بھی تحقیق کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ قریش اہل عرب کے لیڈر ہیں۔

”اس حدیث کی وضاحت و توضیح محدثین نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ جب کہ سید مودودیؒ سے اس حدیث کے حوالے سے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ”بسا اوقات ایک خاص ماحول میں خاص موقع و محل پر ایک بات کہتا ہے جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہوتی ہے لیکن جب وہی بات اپنے محل سے الگ کر کے نقل کی جاتی ہے تو اس کی شکل کچھ اور ہی بن جاتی ہے اور اس سے ایسے معنی نکل آتے ہیں جو خود قائل کے منشا کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ اس معنی کی حدیث کے ساتھ بھی پیش آیا ہے... حتیٰ کہ اس غلط فہمی پر پڑ کر فقہائے اسلام کے ایک بڑے گروہ نے خلافت کے لیے من جملہ اور شرائط کے قرشیت کو بھی ایک قانونی شرط قرار دے لیا۔ حالاں کہ نبی کا منشا کچھ اور تھا“³³۔

مزاح رسولؐ سے اشناسید مودودیؒ نے احادیث کو بڑی باریک بینی سے درایت کے اصول پر پرکھا ہے۔ بلا تامل و تردد احادیث پر بھرپور بحث کی ہے۔ بحث و درایت کے سلسلے میں انھوں نے اس حدیث پر بھی کافی تفصیلی بحث کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ

انا مدينة العلم و علی بابها فمن اراد المدينة فلیات الباب

میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ پس جس نے علم کے اس شہر میں آنا ہو تو اس دروازے سے آجائے۔

مولانا سید مودودیؒ نے امام ترمذیؒ، امام بخاریؒ، امام نوویؒ، امام جزویؒ، حافظ ذہبیؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابن دینق العیدؒ اور ابن الجوزیؒ کے حوالوں سے اس روایت کو غرب، منکر، لا اصل له، انہ منکر و لیس له وجہ صحیح مانا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

اگر ہم اس حدیث پر اعتماد کر کے اس علم کے لیے صرف ایک حضرت علیؑ پر انحصار کر لیں، تو لامحالہ ہمیں علم کے اس بہت بڑے حصے سے محروم ہونا پڑے گا جو دوسرے صحابہؓ کے ذریعے سے منقول ہوا ہے، کیا عقل یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے لیے حضورؐ کا ارشاد ہم کو اس حدیث کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی اور مستند و معتبر ذریعہ سے پہنچنا چاہیے تھا؟ بلکہ اسے تو بہت سی صحیح اور مضبوط سندوں سے مروی ہونا چاہیے تھا۔ یہاں تک کہ اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی³⁴۔ اس کے بعد سید مودودیؒ درایت کے اصول کے تحت اس منقولہ حدیث کا دوسرے احادیث سے موازنہ کرتے ہیں، لکھتے ہیں

”جب ہم ان بہت سی صحیح احادیث کو دیکھتے ہیں جو دوسرے صحابہؓ کے متعلق نبی کریمؐ نے ارشاد فرمائی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔ مسند احمد اور ترمذیؒ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے زید بن ثابت کے متعلق فرمایا ”افرضہم“، یعنی صحابہؓ میں علم

³². سیرت سرور عالم، سید مودودیؒ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سن اشاعت اگست 1999

³³. سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، ج سوم، 48

³⁴. ترجمان القرآن، اگست 1957، ص 53، 54

میراث کے وہ سب سے بڑے ماہر ہیں۔ معاذ بن جبلؓ کے متعلق فرمایا ”اعلمهم بالحلال والحرام“ حلال و حرام کو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں، ابی ابن کعبؓ کے متعلق فرمایا ”اقرؤهم“ قرآن کے سب سے بڑے قاری وہ ہیں۔ مسند احمدؓ میں خود حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ”لو كنت مؤمراً احداً من امتي من غير مشورة لا مرت عليهم ابن ام عبداً“ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو بلا مشورہ امیر بنانے والا ہوتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا۔ ترمذی میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: ”لا ادري ما بقائى فيكم فاقتدوا باللذنين من بعدى ابوبكر و عمر“ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے درمیان رہوں گا۔ تم میرے بعد ان دو آدمیوں کی پیروی کرنا، ابو بکرؓ و عمرؓ۔ بخاری و مسلم اور مسند احمد میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا اور آپ کو غسل دینے کے لیے تختے پر لا کر رکھا گیا تو چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے۔ ان کے حق میں دعائے خیر کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص پیچھے سے میرے شانے پر کہنی ٹیک کر جھکا اور کہنے لگا۔ ”اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ تمہارے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کے متعلق میرے دل میں یہ تمنا ہو کہ میں اس کا سامنا نہ اعمال لے کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تم کو ضرور اپنے دونوں رفیقوں (یعنی رسولؐ اور حضرت ابو بکرؓ) کے ساتھ ہی رکھے گا۔ کیوں کہ میں اکثر حضورؐ کو یوں فرماتے سنا کرتا تھا کہ فلاں جگہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔

فلاں کام میں نے اور ابو بکرؓ نے کیا۔ فلاں جگہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ گئے فلاں جگہ سے میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ نکلے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ علیؓ ابن طالب تھے۔ اسی مضمون کے آخر میں سید مودودیؒ اپنے موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

”میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو سیدنا علیؓ کی شان میں صحیح اور معتبر حدیثوں کی کمی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ایک ایسی حدیث ان کے حق میں لانے کی کوشش کی جائے۔ جو سند کے لحاظ سے ضعیف کے مرتبے سے بھی گری ہوئی ہے۔ تاہم اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہی ہو تو اس کا یہ حصہ بالکل غلط ہے کہ ”جس کو اس شہر میں آنا ہو وہ اس دروازے سے آئے۔ کیوں کہ یہ حضورؐ کے دوسرے بہت سے ارشادات سے اور آپ ﷺ کے زندگی بھر کے عمل کے خلاف ہے اور حضرت علیؓ کے اپنے ارشادات سے بھی ٹکراتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کے پہلے حصے یعنی انا مدینہ العلم و علی بابہا کو صحیح مانا جاسکتا ہے اور وہ بھی اس معنی میں نہیں کہ اس شہر کا صرف ایک ہی دروازہ ہے اور وہ علیؓ ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اس شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ علیؓ ہے۔ یہ معنی حق بھی ہے اور حضورؐ کے دوسرے اقوال اور آپ کے عمل سے مطابقت بھی رکھتے ہیں³⁵ اس منقولہ روایت کو سید مودودیؒ نے درایت کے ہر پہلو سے جانچا اور پرکھا۔ متن الحدیث کو عقل کے رو سے بھی، دیگر روایات کے تقابل سے بھی اور حالات و واقعات کے موازے سے بھی جائزہ لیا۔ درایت کے تحت اس پر ضعیف کے مرتبے سے بھی کم درجے کا حکم لگا دیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا وہ حوالہ ضرور دیا جانا چاہیے جس میں ظہور مہدی کے روایات کو ان کی نظر میں سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

”ظہور مہدی کے متعلق جو روایات ہیں، ان کے متعلق ناقدین حدیث نے اس قدر سخت تنقید کی ہے کہ ایک گروہ سرے سے اس بات کا قائل ہی نہیں رہا کہ امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ اسماء الرجال کی تنقید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کے اکثر رواۃ شیعہ ہیں۔ تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ نے سیاسی و مذہبی اغراض کے لیے ان احادیث کو استعمال کیا ہے، اور اپنے کسی آدمی پر ان مندرجہ علامات کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان وجوہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نفس ظہور مہدی کی خبر کی حد تک تو یہ روایات صحیح ہیں، لیکن تفصیلی علامات کا بیشتر بیان غالباً وضعی ہے۔ اور اہل غرض نے شاید بعد میں ان چیزوں کا اصل ارشاد نبوی ﷺ پر اضافہ کیا ہے۔ مختلف زمانوں میں جن لوگوں نے مہدی

³⁵ ترجمان القرآن، اگست 1957، 59

موجود ہونے کے جھوٹے دعوے کیے ہیں ان کے لٹریچر میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان کی ساری فتنہ پردازی کے لیے مواد انھی روایات نے بہم پہنچایا ہے³⁶۔

مہدی کے متعلق مولانا کی رائے الگ نوعیت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

عقیدہ ظہورِ مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اس قسم کے ہیں۔ مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانے میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل مہم کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبیر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جمادے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی ”جدتوں“ کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شور شین برپا کریں گے۔ پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنے جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے اس کو متاثر لیا جائے، نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت جس کو منہاج النبوة پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا³⁷۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حدیثِ دجال پر بھی کلام کیا ہے۔ حدیثِ دجال اپنی نوعیت میں محدثین پر ذرا مشکل مقام بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں محدود معلومات دی گئی تھیں۔ دجال کے ظاہر ہونے اور اس کے صفات کے علاوہ یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ کب اس کا ظہور ہوگا؟ کہاں ظہور ہوگا؟ حیاتِ النبی میں ظہور ہوگا یا بعد میں؟ خود نبی کریم اس بارے میں گمان سے کام لیتے رہے۔ ”کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیان علاقہ سے۔ پھر کبھی آپ ابن صیاد نامی اس یہودی بچے پر (جو مدینہ میں غالباً ۲ یا ۳ھ پیدا ہوا تھا) یہ شبہ کہ شاید یہی دجال ہے اور آخری روایت یہ ہے کہ ۹ھ میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب (تمیم داری) نے اگر اسلام قبول کیا اور آپ کو یہ قصہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحر روم یا بحر عرب میں سفر کرتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور اس نے انہیں بتایا کہ وہ خود ہی دجال ہے³⁸۔

حدیثِ دجال کے بارے میں مولانا صاحب نے متعدد مقامات پر لکھا بھی ہے اور ان سے اس حدیث کے بارے میں سوالات بھی ہوتے رہے ہیں۔ ذیل کے سطور میں ایک سوال کا جواب نقل کیا جا رہا ہے۔

”اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کیے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں، نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی کا صحیح فہم کہا جاسکتا ہے... اس قسم کے معاملات میں نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصبِ نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے۔ نہ اس سے عصمتِ انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کے لیے شریعت نے ہم کو مکلف کیا ہے، اس اصولی حقیقت کو ہم تاہم نخل والی حدیث میں نبی خود واضح فرما چکے ہیں³⁹۔

مولانا مودودی نے حدیثِ دجال کی مشکل بحث کو بڑی آسانی اور خوبی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ غیر ضروری پیچیدگیوں میں نہیں الجھے۔

³⁶ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ عالم، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن سن اشاعت 1999)، 456۔

³⁷ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ عالم، ص 459۔

³⁸ ترجمان القرآن، فروری 1946، ص 59۔

³⁹ محولہ بالا، ص 60۔

حدیث دجال کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے کذبِ ثلاثہ کو بھی مولانا مودودیؒ نے درایت کے اصولوں پر پرکھا ہے۔ اس بارے میں بھی ان کی رائے واضح اور دو ٹوک ہیں۔

”جب تمام لوگ ایک مذہبی میلے میں شرکت کے لیے جانے لگے تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی ساتھ لے جانے کا اصرار کیا۔ انکار کی صورت میں حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ”انی سقیم کو نہ اللہ نے جھوٹ کیا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے، لہذا اس بارے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب بت خانے کے اندر ابراہیمؑ نے سارے بتوں کو توڑا اور سب سے بڑے بت کو سلامت رکھا اور کلہاڑی اس کے کندھے پر رکھ دی۔ جب اس صورت حال کا ذمہ دار ابراہیمؑ کو ٹھہرایا گیا تو جواب میں ابراہیمؑ نے کہا بل فعلہ کبیرہم ، هذا فسئلوہم ان کانو ینطقون ان میں سے جو بڑا بت ہے یہ اس کا کارنامہ ہے۔ وگرنہ ان دیگر بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ جواب دینے کی سکت رکھتے ہوں۔ تب؟“

ابراہیمؑ نے ان بتوں سے ناامید کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا تھا اور اس میں بھی جھوٹ کی کوئی معمولی گنجائش بھی نہیں نکالی جاسکتی۔ موافق واقعہ بات ہے اور عقل اس کو دلیل سے سمجھانے کا نوکھاندا نہ کہے گی۔

تیسری مشہور روایت کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ ما قبل دو واقعے کی طرح یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ اس روایت کو آگے پھیلانے میں بائبل کی روایتوں نے اسے درایت کے اصولوں کے سامنے لاکھڑا کر دیا۔ سید مودودیؒ نے رسائل و مسائل جلد دوم میں اس کا ذکر کیا ہے، بائبل کی ایک روایت ہے کہ:

”ابراہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوایا۔ لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا۔ اور اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے، ہلاک ہو گا کیوں کہ وہ شوہر والی ہے۔“⁴⁰

بائبل کے اس روایت پر سید مودودیؒ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”بائبل کے اپنے بیان کی رو سے اس وقت سارہ کی عمر 90 سال تھی۔ (جب کہ بائبل میں درج اس روایت سے پہلے والی روایت میں سارہ کی عمر 65 سال درج ہے۔) یہ دونوں قصے خود بتا رہے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اور ہم کسی طرح یہ باور نہیں کر سکتے کہ نبیؑ نے اس کی تصدیق فرمائی ہوگی،“⁴¹

سید مودودیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو درایت کر دہ روایت کو درایت غلط کہا ہے۔ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں:

”ہمارے لیے ان راویوں کو جھوٹا ماننا جس قدر مشکل ہے، اس سے بدرجہا زیادہ مشکل یہ باور کرنا ہے کہ ایک نبیؑ نے جھوٹ بولا ہو گا یا نبی ﷺ نے معاذ اللہ ایک نبیؑ پر دروغ گوئی کا جھوٹا الزام لگایا ہو گا۔ اس لیے لامحالہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اس معاملے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنا پر نبیؑ کا ارشاد صحیح طور پر نقل نہیں ہو سکا۔“⁴²

رسائل و مسائل میں اس پر تفصیلی بحث ہوئی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں پیشین گوئیاں کثرت سے بیان ہوئی ہیں۔ پیشین گوئیوں ہی سے بہت سارے لوگوں نے غلط طالب اور مفہوم نکالے ہیں۔ سید مودودیؒ کا اس بارے میں موقف ہے کہ:

⁴⁰. سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، ج دوم، ص 31

⁴¹. ایضاً

⁴². ایضاً، ص 29

”میں نے جہاں تک نبی ﷺ کی پیشین گوئیوں پر غور کیا ہے۔ ان کا انداز یہ نہیں ہوتا کہ کسی آنے والی چیز کی علامات و تفصیلات اس طریقے سے کبھی آپ ﷺ نے بیان کی ہوں جس طرح ظہور مہدی کی احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ بڑی بڑی اصولی علامات تو ضرور فرما دیا کرتے تھے لیکن جزئی تفصیلات بیان کرنا آپ ﷺ کا طریقہ نہ تھا“⁴³۔

سید مودودیؒ مزاج رسول ﷺ سے آشنا تھے۔ الفاظ حدیث سے فنی ذوق اور بکثرت ممارست کے نتیجے میں ایک روحانی ہیئت نصیب ہوا ہے۔ سید مودودیؒ کے رسوخ فی الحدیث کے ضمن میں یہ بات بڑی واضح کہی جاسکتی ہے کہ احادیث کو درایت کے اصولوں پر جانچنے کا کمال درجہ صلاحیت ان کو قدرت کی طرف سے ملی تھی۔ مشکل سے مشکل احادیث و روایات پر بلا خوف حکم لگا دینے کی جرأت قدرت نے اسے ودیعت کی تھی۔ اصول درایت کو بروئے عمل لا کر نہ صرف اپنی تصنیفات کو معتبر بنایا ہے بلکہ اصولوں کو پرکھنے کی روایات کو بھی جاری رکھا۔

الصحابۃ کلہم عدول

نبی کریم ﷺ کے ذخیرہ احادیث کو آگے منتقل کرنے میں صحابہ کرام کی خدمات سرفہرست ہیں اور قابل قبول ہونے کے علاوہ ان کے خدمات لائق صد افرین بھی ہیں۔ یہی وہ امانت دار گروہ ہے جن کی بدولت ہم تک احادیث کا قیمتی ذخیرہ پہنچا۔ بشری کمزوریوں کے باوجود بھی انہوں نے کمال احتیاط اور مہارت سے ذخیرہ احادیث کو امت تک پہنچایا۔ مختلف المزاج اور صحبت رسول ﷺ یکساں نہ ہونے کے باوجود بھی ان کی روایات میں کوئی ٹیڑھ ثابت نہیں ہوئی۔ تحریف و تبدیلی سے مبرا احادیث کو اسی طرح آگے پھیلا یا جس طرح انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا۔ مولانا مودودیؒ نے روایت ”الصحابۃ کلہم عدول“ میں اس کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس ضمن میں ان کے کردار کو واضح کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

میں الصحابۃ کلہم عدول (صحابہ سب راست باز ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا۔ اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول ﷺ سے روایت کرنے، یا آپ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی نے کبھی راستی سے ہر گز تجاوز نہیں کیا ہے۔ پہلا مطلب اگر لیا جائے تو تاریخ ہی نہیں، حدیث کی مستند اور قوی روایات بھی اس کی تائید نہ کریں گی۔ اور دوسرا مطلب لیا جائے تو وہ قطعی طور پر ثابت ہے جس کے خلاف کوئی شخص کسی قابل اعتماد ذریعے سے کوئی ثبوت نہیں لاسکتا۔۔۔ لیکن اگر اس کی یہ تعبیر کی جائے کہ بلا استثنا تمام صحابہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صفت عدالت سے کفی طور پر مستصف تھے، اور ان میں سے کسی سے کبھی کوئی کام عدالت کے منافی صادر نہیں ہوا، تو یہ ان سب پر راست نہیں آسکتی۔۔۔ کسی شخص کے ایک دو یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گزرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عدالت کی کلی نفی ہو جائے اور وہ عدالت کے بجائے فاسق قرار پائے، دراصل ایک اس کی زندگی میں مجموعی طور پر عدالت پائی جاتی ہو۔ حضرت ماعرا سلمیؓ سے زنا جیسا شدید گناہ صادر ہو گیا۔ یہ قطعی طور پر عدالت کے منافی کام تھا۔ لیکن انہوں نے تو لاؤ اور عملاً توبہ کی، خود اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا، اور ان پر حد جاری کر دی گئی۔ اب اس بات سے کہ وہ عدالت کے منافی ایک کام کر گزرے تھے، ان کی عدالت منتفی نہیں ہو گئی، چنانچہ محدثین نے ان کی حدیث قبول کی ہے۔⁴⁴

حدیثوں کے محافظ صحابہ کرام نے احادیث کی بنیاد پر ہر لحاظ سے پاکیزہ زندگی گزاری اور پاکیزہ روایات کو آگے بڑھا بھی دیا۔ گویا ان کی پاکیزہ زندگی کی دلیل حدیث رسول ﷺ ہیں اور حدیث کی تطبیق کے لیے ان کی زندگیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ

⁴³ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرور عالم ﷺ، جلد اول، ص 457

⁴⁴ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، خلافت و ملوکیت، (لاہور اور ڈھاکہ: اسلامک پبلی کیشنز، سن اشاعت 1966)، 303، 304۔

برصغیر پاک و ہند میں حدیث اور اس کے تمام پہلوؤں پر کام ہو چکا ہے۔ شخصیات میں سے جن کو اپنے کلمی وجہ سے انفرادیت حاصل ہے، ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام سرفہرست ہے۔ حدیث کے بارے میں انہوں نے قرآن و سنت کے عین مزاج کے مطابق منہج کو اختیار کیا۔ سلف کے اصولوں کو بھی مد نظر رکھا اور اپنے موقف کو بھی پیش کیا۔ اس دوران حدیث سے متعلق باریک بینی سے ان اصحاٹ کا مطالعہ اور جائزہ لیا جن سے حدیث کی حیثیت کم کرنے کی کوشش کی گئی یا من گھڑت روایات کو حدیث میں داخل کر کے اس کے اصل حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔

درج بالا سطور میں حقائق اور حوالوں کے ساتھ اس بات کو سامنے لایا گیا کہ مزاج رسول ﷺ کو سمجھے بغیر کوئی حدیث پر کام نہیں کر سکتا۔ حدیث کے علم کے بغیر کوئی علم حدیث پر کلام نہیں کر سکتا۔ اور جنہوں نے اس کلام کیا ہے اور اسے اپنے نفس کی بھوک کو مٹانے استعمال کیا ہے، انہوں نے نہ صرف حدیث سے روگردانی کہ بلکہ علم حدیث سے بھی خیانت کی۔ تحقیق و جستجو کو غلط رنگ دینے کی روایت ڈالنے کی کوشش کی۔ ان کا سد باب انسانی کاوشوں کے ذریعے سے بھی ہوا اور علم و حج کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہونے جا رہا ہے۔ ایسے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسی شخصیات کی موجودگی اس احساس کو مزید تقویت پہنچانے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے کہ یہ علم انسانی کاوشوں سے محفوظ بھی ہے اور اس میں مزید تحقیق و جستجو کی راہیں کھلی ہے۔